الکتاب کی تعریف کے بارے میں چند باتیں

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

تصنیف : امام شوکانی
ترجمہ : محمد اصغر نیازی

پہلی تعریف

الف ۔ باعتبار لغت

باعتبار لغت کتاب کا لفظ ہر تحریر اور ہر لکھی ہوئی چیز پر بولا جاتا ہے ۔ تاہم امت مسلمہ ---- اہل شرع و دین ------ کے ہاں یہ لفظ قران کے لیے مشہور ہو گیا ہے۔ قرآن لفظا مصدر ہے جس کے معنی قرات ------ پڑھنے ------ کے ہیں عرف عام میں قران اللہ سبحانہ ' کے کلام کے ایک متعین و معلوم مجموعے کا نام ہے جسے اللہ کے بندوں کی زبانوں پر جاری کر دیا گیا ہے ۔

الکتاب اپنے لغوی مفہوم کے علی الرغم کلام الہی ---- قرآن --- کے معنوں میں زیادہ مشہور و مبرہن ہے ۔ ان معنوں میں اس کی تصریح اور توضیح بھی اسی لیے زیادہ کی گئی ہے ۔ بہرحال الکتاب کی یہ تعریف لغت کے اعتبار سے ہے اور لفظی ہے لیکن یہ زیادہ مشہور اپنے مترادف معنی یعنی قرآن کے لیے ہے ۔

ب ۔ باعتبار اصطلاح

جہاں تک الکتاب کی اصطلاحی حد --- تعریف ---- کا تعلق ہے ' اس سے مراد وہ کلام ہے جو رسول پر نازل ہوا ہے ' (مقدس) صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اور ہم تک تواتر سے نقل ہو کر پہنچا ہے ۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ الکتاب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ اور مصاحف میں لکھی ہوئی موجود ہے تو دوسری ساری (نازل شدہ) کتابیں ' قدسی اور نبوی حدیثیں وغیرہ آپ سے آپ اس سے نکل جاتی ہیں نیز " الکتاب ہم تک تواتر سے منتقل ہوئی ہے " کے الفاظ سے شاذ ---- کم کم مستعمل ---- قراتیں بھی اس سے خارج ہو جائیں گی ۔

البتہ اس تعریف پہ ایک اعتراض ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں "دور" پایا جاتا ہے ۔ کیونکہ الکتاب کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ مصاحف میں مکتوب ہے اور جب یہ پوچھا جاتا

ہے کہ مصحف کیا ہے تو بتایا جاتا ہے کہ وہ کتابیں جن میں قرآن --- الکتاب ----- ہے (علم منطق میں دور اسی کو کہتے ہیں اور یہ تعریف کا ایک عیب ہے ۲)

مصنف اس کے جواب میں کہتے ہیں 'مصحف عرفا ایک معلوم و معروف شے ہے اور اس تعریف کا محتاج نہیں کہ مصحف وہ ہے جس میں قرآن مکتوب ہے (لہٰذا دور کا اعتراض غیر لازم ہے)

دوسری تعریف

الکتاب کی ایک اور تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے ' اس لیے نازل ہوئی ہے کہ اس میں تدبر کیا جائے اور اس سے تذکر حاصل کیا جائے اور یہ (ہم تک) تواتر اور تسلسل سے پہنچی ہے ۔

اس تعریف کی خاص باتیں

☆ لفظ کتاب اگرچہ تمام سماوی اور غیر سماوی کتابوں کو عام ہے (یعنی ہر قسم کی کتاب پر بولا جاتا ہے) تاہم الکتاب کا عربی زبان میں ہونا ' ان سب کتابوں کو جن کی زبان عربی نہیں ' اس تعریف سے باہر کر دیتا ہے ۔

☆ 'المنزل (منزل من اللہ) ہونے کی قید ان کتابوں کو جو ہیں تو اسی زبان میں لیکن منزل من اللہ نہیں ' الکتاب کی صف میں شامل ہونے سے روک دیتی ہے

☆ یہ کہ الکتاب تدبر اور تذکر کے لیے ہے ' محض وضاحت کے لیے کہا گیا ورنہ یہ سب اس کی تعریف کے لوازمات میں سے نہیں (البتہ اس سے الکتاب کی مقصدیت اور افادیت متعین ہو گئی ہے) بہرحال تدبر ۳ سے مراد صحیح تاویلات اور مستنبط معانی کا فہم حاصل کرنا ہے جن کے ظاہری اتباع کی جاتی ہے اور تذکر سے مراد الکتاب کے قصوں اور مثالوں کے حوالے سے وعظ و نصیحت کا بیان ہے ۔

☆ اور الکتاب کا متواتر ہونا ' اس تعریف سے اس سب کچھ کو خارج کرتا ہے جو ہم تک تواتر سے نہیں پہنچا ۔ جیسے مثلاً شاذ قراتیں اور قدسی احادیث وغیرہ ۔

تیسری تعریف

الکتاب کی ایک اور تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ اللہ کا نازل کردہ وہ کلام ہے جس کی ہر ہر سورہ اعجاز کے لیے اتری ہے یعنی جس کی مثل لانے سے سب عاجز ہیں)

اس تعریف کی خاص باتیں

☆ ایک یہ کہ منزل ہونے کی بنا پر ہر وہ کلام الکتاب کے زمرے سے نکل جائے گا جو منزل نہیں (گویا الکتاب کے لیے اللہ کا کلام ہونا شرط ہے)

☆ دوسرے وہ کلام بھی الکتاب میں بار نہیں پا سکتا جو اعجاز کے لیے نہ ہو جیسے مثلاً کتب سماوی اور کتب سفن کہ وہ سب اعجاز کا دعویٰ نہیں رکھتیں۔ اعجاز سے مراد بلاغت میں ترفع کی وہ اعلیٰ سطح ہے جس تک رسائی کسی انسان کے بس میں نہیں۔ اس لیے سب (بشمول فصحائے عرب) الکتاب کے چیلنج (فاتو بسورہ من مثلہ) کا جواب لانے سے عاجز آ گئے۔

☆ سورہ سے مراد الکتاب کا بڑا یا چھوٹا ایسا ٹکڑا ہے جس کا اول و آخر ایک دوسرے سے توقیفاً (من عنداللہ واقف کرایا) منضبط اور ایک لڑی میں پرویا ہوا ہو۔

اس تعریف پر بھی ایک اعتراض ہے۔ الکتاب کی حیثیت اعجاز اگرچہ شک و شبہ سے بالاتر ہے لیکن اس کا وجوب و لزوم ایسا واضح نہیں کیونکہ سورہ کی (من حیث الجزء) معرفت موقوف ہے، قرآن کی (من حیث الکل) معرفت پر۔

مصنف (شوکانی) اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ اعجاز کا لازم ہونا (اس) تعریف کے وقت بھی واضح تھا کیونکہ الکتاب کے معجزہ ہونے کا علم (بطور چیلنج) پہلے سے (سب کو) ہے۔ اور یہ کہ سورہ کا لفظ تو قرآن یا غیر قرآن ہر منزل من اللہ کلام کے کسی بھی منضبط بڑے یا چھوٹے قطعے پر بولا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انجیل کے ٹکڑے کو بھی سورہ ہی کہا جائے گا (لیکن الکتاب کی ہر سورہ بمنزلہ مصحف ہے)۔

چند اور تعریفیں

(الف)۔ بعض نے اس (الکتاب) کی ایک اور تعریف کی ہے کہ الکتاب ہم تک مابین دفتین مصحف کی صورت میں تواتر اور تسلسل کے ساتھ منتقل ہوا ہے۔ یعنی اس بات کا مکمل بندوبست ہمیشہ موجود رہا کہ اللہ کا کلام ہم تک بحفاظت نقل ہو)

(ب)۔ بعض دوسروں نے اس کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ القرآن ہے، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ ہے، مصحفوں میں لکھا موجود ہے اور بغیر کسی اشتباہ کے خبر متواتر کے طور پر ہم تک پہنچا ہے۔ پس قرآن ہی الکتاب کی لفظی (ذاتی) تعریف ہے، اس کے علاوہ باقی سب کچھ رسمی (عرفی) ہے۔

اس تعریف پر بھی ویسا ہی اعتراض اٹھایا جا سکتا ہے جیسا پہلے وارد ہوا اور اس کا جواب بھی وہی ہے جو پہلے اعتراض کا دیا گیا۔

(ج)۔ اس کے علاوہ ایک اور تعریف یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ (الکتاب) عربی زبان میں اللہ کا کلام ہے، لوح محفوظ میں مندرج ہے تاکہ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر)

نازل کیا جا سکے ۔ لیکن اس پہلو پر ایک اعتراض ہے' لوح محفوظ میں تو احادیث قدسیہ ' شاذ قراتیں بلکہ سبھی کچھ ثبت ہے ۔

بمصداق قرآن لا رطب ولا یابس الا فی کتاب '' نہیں کوئی خشک و تر مگر ہے کتاب (لوح محفوظ) میں ۔

میں (مصنف) اس اعتراض کے جواب میں صرف یہ کہوں گا کہ الکتاب کا لوح محفوظ میں اتارے جانے کے لیے درج ہونا باقی سب کچھ کو اس میں در آنے سے روک دیتا ہے ۔

ایک جامع و مانع تعریف

تاہم ان سب سے بہتر اور ان سب پر فائق تعریف یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ (الکتاب) اللہ کا کلام ہے ' محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے ' تواتر اور تسلسل سے نقل ہوتا آ رہا ہے اور کلام متلو ہے یعنی اس کلام کی تلاوت کی جاتی ہے ۔

بار بار غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ تعریف ایسی ہے جس پر ایسا ایک بھی اعتراض نہیں اٹھایا جا سکتا جو دوسری تعریفوں پر وارد کیے گئے ۔

کیا خبر آحاد قرآن ہے

اہل اصول کے ہاں بواسطہ خبر آحاد نقل ہونے والی روایت کے بارے میں ایک اختلاف چلا آ رہا ہے تھا کہ اسے بھی قرآن ہی شمار کیا جائے یا نہیں ۔ تاہم اس کے جواب میں (حتمی طور پر) یہ طے کر دیا گیا کہ یہ قرآن نہیں ہے اور اس لیے نہیں ہو سکتی کہ نقل قرآن کے بارے میں (من جانب اللہ و رسولہ) یہ داعیات (بصورت چیلنج) موجود ہیں کہ یہ :

(الف) سبحانہ تعالیٰ کا کلام ہے اور
(ب) شریعت کے احکام پر مشتمل ہے اور
(ج) کلام بھی ایسا کہ (جس کی نظیر لانے سے) سب عاجز ہیں ۔

چنانچہ جو کلام ایسا ہو (اور یقیناً ایسا ہے) تو اس کا متواتراً" (تواتر سے) نقل ہونا از بس ناگزیر ہے (کہ خبر متواتر ہی ان خصوصیات والے کلام کی متحمل ہو سکتی ہے) لہٰذا جو متواتر نہیں' وہ قرآن نہیں چنانچہ خبر آحاد بھی (اسی اصول پر) قرآن نہیں ہے اور اہل اصول نے (اسی اصول پر) خبر متواتر کو اس قابل قرار دیا ہے (کہ وہ نقل قرآن کا قابل اعتماد وسیلہ بن سکتا ہے)

کیا نقل قراءت متواتر ہے

بلکہ اہل اصول کا دعوی ہے کہ قرا آت سبعہ (ہفت قرا آت) بھی بواسطہ خبر متواتر منقول ہوئیں ہیں اور وہ یہ ہیں :

۱ ۔ قرات ابی عمر
۲ ۔ قرات نافع
۳ ۔ قرات عاصم
۴ ۔ قرات حمزہ
۵ ۔ قرات الکسائی
۶ ۔ قرات ابن کثیر
۷ ۔ قرات ابن عامر

جو ان کے علاوہ ہیں (وہ متواتر نہیں) البتہ بعض اہل اصول دعوی کرتے ہیں کہ (متواتر نقل ہونے والی) قراتیں دس ہیں جن میں سات تو وہی ہیں جو اوپر نقل ہوئی ہیں ،باقی کی تین یہ ہیں :

۱ ۔ قرات یعقوب
۲ ۔ قرات ابی جعفر
۳ ۔ قرات خلف

لیکن اس دعوے پر کوئی علمی دلیل (اشارہ) موجود نہیں (لہٰذا ماننا پڑے گا کہ) سب قراتیں بواسطہ خبر آحاد ہی نقل ہوئی ہیں اور یہ بات ہر وہ شخص اچھی طرح جانتا ہے جو ان قراتوں کے قراء کی (درجہ بدرجہ) سندوں کے حوالوں سے واقف ہے ۔ مزید یہ کہ جن لوگوں نے انھیں نقل کیا ہے ' وہ قاریوں کے (اپنے) طبقے سے تعلق رکھتے ہیں ۔

قراتوں کے بارے میں اجماعی رائے

تاہم اہل فن کا اس پر اجماع ہے کہ ان قراتوں میں کچھ تو واقعی متواتر ہیں اور کچھ آحاد ہیں بلکہ کسی ایک نے بھی ساتوں کی ساتوں قراتوں کے متواتر ہونے کا دعوی نہیں کیا ۔ چہ جائیکہ دسوں قراتوں کے بارے میں کوئی ایسی رائے رکھے ۔ یہ تو بس بعض اہل اصول اور اہل فن (فن قرات) کی کہی ہوئی ایک بات ہے جو انھوں نے اپنے فن سے آگاہی دلانے کے لیے کر دی ۔

معیار قرات مقبول

حاصل یہ کہ کلام جس پر مصحف مشتمل ہے اور جس پر قراء مشہور کا اتفاق ہے ' وہی قران ہے اور اس ضمن میں ان میں کوئی اختلاف نہیں تاہم مصحف کا ضبط (رسم) اگر ان

سب قراتوں کا متحمل ہو جن میں حضرات قراء اختلاف کرتے ہیں تو ان کے عین قران ہونے کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہے ۔

ایک یہ کہ وہ باعتبار اعراب مصحف سے کامل مطابقت رکھتی ہوں اور

دوسرے معنوی طور پر ان کا تطابق عربی زبان سے ہو ۔

اور اگر کچھ میں یہ احتمال پایا جاے اور کچھ میں نہ پایا جائے تو جس میں (ضبط مصحف کا) تحمل نہ ہو ' اس کی بنیاد چاہے کتنی ہی صحیح ہو اور وہ فن اعراب کی رو سے اور معنوی سطح پر عربی زبان سے مناسبت بھی رکھتی ہو' رہے گی وہ محض شاذ ہی _ ایسی قرات اپنے مدلول پر دلالت میں خبر آحاد کے حکم میں ہے ۔ پھر چاہے وہ ہفت قرا آت (قرا آت سبعہ) میں سے ہو یا ان کے علاوہ میں سے ' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اسی طرح جس قرات کو صحت سند حاصل نہ ہو ' وہ ضبط مصحف (رسم المصحف) کا تحمل بھی نہ رکھتی ہو تو وہ بھی قران کہلانے کی مستحق نہیں بلکہ وہ تو اس قابل بھی نہیں کہ اسے خبر آحاد کے مقام پر رکھا جائے ۔ تاہم اس کا قران نہ ہونا (اور نہ ہو سکنا) تو سب پر ظاہر ہے ۔ البتہ اخبار آحاد کے درجے تک اس کا پہنچ نہ پانا اس وجہ سے ہے کہ اس کی سند صحیح نہیں بلکہ صحت اسناد کا نہ ہونا اس ضمن میں اس قدر اہم ہے کہ تنہا عربی زبان سے معنوی موافقت اور مجرد اعرابی رعائت کافی نہیں ۔

بہرحال روایت یہ بھی صحیح ہے ' بتایا رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کہ قران سات قراتوں میں اترا ہے اور روایت وہ بھی صحیح ہے ' فرمایا رسول اکرم صلی اللہ والہ وسلم نے ' قران مجھے جبریل علیہ السلام نے ایک ہی قرات پڑھایا لیکن میں اضافے کا برابر طلب گار رہا یہاں تک کہ قراتوں کی تعداد سات تک پہنچ گئی ۔

سبعہ احرف کا مطلب

سبعہ احرف سے مراد لغات عرب ہیں جن کی تعداد سات تک پہنچ چکی ہے تاہم الفاظ کے بارے میں ان کا ایک دوسرے سے اختلاف ایک قلیل تعداد تک محدود ہے ۔ بہرحال ذخیرہ الفاظ کا غالب حصہ متفق علیہ ہے نیز اس اتفاق کا دائرہ جہت اعرابی اور عربی معنی تک پھیلا ہوا ہے چونکہ یہ مسئلہ کچھ تفصیل طلب ہے ۔ تاکہ وہ حقیقت حل کر سامنے آ سکے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ۔ اس لیے ہم نے اس پر الگ سے ایک کتاب لکھ رکھی ہے ۔ لہذا (تفصیل) چاہیں تو وہاں دیکھ لیں ۔

بسم اللہ قران کا حصہ ہے ؟

سبعہ احرف اور ہفت قرات پر گفتگو کے ذیل میں بعض اہل اصول نے اس اختلاف کا ذکر کیا ہے جو بسم اللہ کے بارے میں قاریوں کے درمیان واقع ہوا ۔ دیگر اہل علم کے ہاں بھی یہ اختلاف موجود ہے۔

اختلاف یہ ہے :

☆ **بسملہ** بطور آیت کیا ہر سورہ کا جزو ہے یا صرف سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے ۔

☆ یا اس کی حیثیت ایک ایسی مستقل آیت کی ہے جو الگ سے نازل ہوئی ہے اور جس کا مقصد سورتوں کے درمیان حد فاصل قائم کرنا ہے ۔

☆ یا یہ سرے سے کوئی آیت ہی نہیں ' اس لیے قران کا حصہ بھی نہیں ۔

اثبات شمولیت

بہرحال اس بحث نے اہل فن کے درمیان کافی طول کھینچا بلکہ بعض اصولیین تو اس حد تک بڑھے کہ اس کے ڈانڈے اعتقادی مسائل سے جا ملائے اور اسے اصول دین کا ایک مسئلہ قرار دے دیا ۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ رسم مصحف (اسلوب متن نویسی) میں اس کی موجودگی اس پر دال ہے کہ یہ ہر سورہ کا جزو ہے بلکہ کسی بھی شے کے عین قران ہونے کے اثبات کے لیے سب سے مضبوط دلیل اور رکن رکین یہی ہو سکتا ہے کہ وہ قران میں ہے یعنی اس آیت کا ماخذ قران ہے اور یہی اثبات کے لیے رکن اعظم ہے ۔

بسملہ ہر سورہ کا سر آغاز ہے

پھر اس بات کے اثبات پر سب کا اجماع ہے کہ آیت **بسملہ** مصحف میں درج ہر سورہ کے آغاز میں لکھی ہوئی موجود ہے بلکہ اس سے تو ان قاریوں اور دوسرے اہل علم کو بھی اختلاف نہیں جو **بسملہ** کے حصہ قران ہونے کے دعوے کو ثابت نہیں مانتے ۔ اسی اجماع سے ایک اور رکن (قاعدہ) یہ حاصل ہوا کہ آیت **بسملہ** تمام مکاتب فکر کے مابین اجماعی طور پر نقل ہوئی ہے ۔ یعنی موجودگی کے علاوہ منتقلی بھی اجماعی ہے ۔

مصحف سے موافقت

یہ کہ آیت **بسملہ** حصہ قران ہے ' اس دعوے کے ثبوت کا تیسرا ستون (رکن) یہ ہے کہ یہ اعراب کی جہت سے اور عربی معنویت کے لحاظ سے مصحف سے (کامل) موافقت رکھتی ہے اور یہ بات (ہر تلاوت کرنے والے پر) اظہر من الشمس ہے ۔

بسملہ قران میں

یہ بات کہ آیت **بسملہ** قرآن مجید کے متن میں شامل ہے ' بلا دلیل ایک دعوی ہے ۔ اس لیے اسے مان کر دینے کو کوئی بھی تیار نہ ہو گا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ یہ رسم مصحف میں جا بجا موجود ہے ۔

اسی طرح یہ دعوی بھی بس دعوی ہی ہے کہ باعتبار آیت یہ اکیلی ایک آیت ہے یا صرف سورہ فاتحہ کی آیت ہے بلکہ یہ سب مانتے ہیں کہ ہر سورہ کا سر آغاز یہی آیت ہے " تاہم یہ بات بطور دعوی اس لیے گوارہ ہے کہ اس سے دلیل پکڑی جا سکتی ہے ۔

بسملہ نماز میں

رہا اس اختلاف کا معاملہ کہ بسملہ نماز میں پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے اور اگر پڑھی جائے تو مطلقاً" سری یعنی دل ہی دل میں ' یا سری نمازوں میں بسملہ کے بعد جیسے پڑھا جاتا ہے ' ویسے ہی چپکے چپکے اور جہری نمازوں میں اسی ضابطے پر با آواز بلند ' تو آپ پر مخفی نہ ہو گا کہ یہ معاملہ نزاع کے دائرے سے خارج ہے بہرحال احادیث میں بھی اس سلسلے میں وسیع اختلافات ہیں ۔ ہم نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھ رکھی ہے جس میں اس پر مفصل گفتگو کی گئی ہے ۔ شرح المنتقی میں بھی اس کا ذکر موجود ہے ۔ آپ صرف انہیں ہی ایک نظر دیکھ لیں تو کسی اور کتاب کی ضرورت نہ رہے گی ۔

تیسری فصل

قرآن میں محکم اور متشابہ

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ' اللہ پاک کا کلام دو قسم کی آیتوں پر مشتمل ہے:

محکم اور

متشابہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب و آخر متشابہات

اس میں ایک تو محکم آیات ہیں جو ام الکتاب ہے (یعنی بنیادی تعلیمات پر مبنی ہیں) اور دوسری متشابہات ہیں (جو' ظاہر ہے' کتاب کا اصل حصہ نہیں)

تاہم ان دونوں کی تعریف (پہچان) میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں ۔

پہلی تعریف :

چنانچہ محکم کے بارے میں کہا گیا کہ یہ آیات واضح دلالت رکھتی ہیں یعنی ان کا وضوح خود کفیل ہے ۔ رہی متشابہات تو ان کی دلالت " واضح نہیں ۔ مجمل اور مشترک المعنی (ذو معنی) آیات بھی (اسی لیے) متشابہات کی ذیل میں آتی ہیں ۔

دوسری تعریف:

محکم آیت کی ایک تعریف یہ کی گئی ہے کہ اپنے معنی کی توضیح وہ خود کرتی ہے لیکن متشابہ اپنے معنی کی توضیح خود نہیں کر سکتی ۔

یہ تعریف (بہت حد تک) پہلی تعریف کی مانند ہے ۔ لہٰذا مجمل اور مشترک یہاں بھی متشابہ کی ذیل میں درج ہوں گے جیسا کہ پہلی تعریف میں ہو چکا ۔

مندرجہ بالا دونوں تعریفوں میں فرق

پہلی تعریف میں بتایا گیا ہے کہ توضیح کے ہونے اور نہ ہونے کا تعلق دلالت سے ہے اور دوسری تعریف میں اس کا تعلق معنی کے ساتھ ہے ۔

تیسری تعریف

پھر محکم کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نظم افادے (ابلاغ) کے لیے بہت مناسب اور موزوں ہے یعنی محکم آیات کا نظم (ربط باہمی) اس قدر درست اور واضح ہوتا ہے کہ معنی کی تعیین میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ البتہ متشابہات ایسی آیات ہیں، عدم افادیت کی وجہ سے جن کے نظم میں اختلال اور انتشار پایا جاتا ہے کیونکہ متشابہات ایسے موضوعات پر مشتمل ہوتی ہیں جو کسی شے کو متعین (مقید) نہیں کرتے (اس لیے انھیں کسی حد میں لانا آسان نہیں) اور یہی وجہ ہے کہ ان سے کوئی سا مفہوم اخذ کرنا ممکن ہے۔

علامہ آمدی کی رائے

متشابہات کے بارے میں علامہ سیف الدین آمدی اور اس کے ماننے والوں نے بھی اس تعریف کی توثیق کی ہے۔ لیکن علامہ صاحب کو اس پر ایک اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں نظم قرآن میں اختلال کی بات کا کسی مسلمان سے صدور ٹھیک نہیں البتہ یہ کہہ دیا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا کہ متشابہات کا نظم افادہ (ابلاغ معنویت) کے لیے نہیں، آزمائش کے لیے ہے اور اسی لیے اسے مختل (ناقابل ادراک) رکھا گیا ہے۔

چوتھی تعریف

یہ کہ محکم وہ ہے جس کا مدعا و مراد قابل تعریف و تفہیم ہو، چاہے وہ آپ سے آپ، اور، صاف صاف سمجھ میں آ جائے اور چاہے (سمجھنے اور سمجھانے کے لیے) تاویل اور تفسیر سے مدد لی جائے۔ اور متشابہ وہ ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کر لیا ہو (یا اس میں سے فہم اٹھا لیا ہو، یا مفہوم اس میں چھپا دیا ہو)

پانچویں تعریف

یہ کہ محکم کی تاویل میں صرف ایک ہی پہلو (مفہوم) کا احتمال ممکن ہوتا ہے۔ البتہ متشابہ کی ممکنہ تعریف کے لیے (ہر ہر مرحلہ پر) کئی ایک تاویلات کی گنجائش موجود رہتی ہے۔

چھٹی تعریف

یہ کہ محکم علم الفرائض پر مبنی ہے اور جزا و سزا کی بشارتوں اور وعدے وعیدوں سے عبارت ہے اور متشابہ قصوں اور تمثیلوں پر مشتمل ہے۔

ساتویں تعریف

یہ کہ محکم ناسخ ہے اور متشابہ منسوخ۔

آٹھویں تعریف

یہ کہ محکم کے معنی سمجھ میں آتے ہیں لیکن متشابہ کے معنی سمجھ کے دائرے سے باہر ہیں یعنی ایک معقول ہے اور دوسرا غیر معقول۔ یعنی متشابہ کے معنی عقل کی دسترس میں نہیں آ سکتے۔

تاہم ان کے علاوہ بھی (محکم و متشابہ) کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا (جس کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں)

محکم و متشابہ کے تقابلی پہلو

محکم آیات کے حکم پر عمل واجب ہے جبکہ متشابہ پر عمل کے بارے میں کئی مختلف فیہ آراء ہیں ۔ تاہم حق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بعد متشابہ پر عمل کا کوئی جواز نہیں رہتا۔

فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنہ و ابتغاء تاویلہ و ما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ ۔

وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے ' وہی متشابہ آیات کے درپے رہتے ہیں اور اس سے ان کی غرض محض فتنہ کھڑا کرنا یا تاویلیں گھڑنا ہوتا ہے ۔ حالانکہ متشابہ کی تاویل سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا ۔ اس لیے جو علم میں پکے اور سچے ہیں وہ تو بس یہی کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے (جیسی وہ ہیں)

آیت کی نحوی ترکیب

۱ ۔ اس آیت میں وقف "الا اللہ" پر ہے ۔ گویا ایک جملہ یہاں ختم ہو گیا ۔ دوسرے یہ وقف ' وقف متعین ہے ۔ یعنی یہاں لازماً رکنا ہو گا۔

۲ ۔ (اگلے جملے میں) اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ' "الراسخون فی العلم" مبتدا ہے اس کی خبر "یقولون" ہے اور "آمنا بہ" (متعلق خبر) ہے ۔

چنانچہ الراسخون فی العلم یقولون امنا بہ ایک الگ اور مستقل جملہ ہے ۔

لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ اس آیت میں وقف "الراسخون فی العلم" پر ہے ۔ کیونکہ اس طرح سے تو "یقولوں" والے جملے کو حالیہ ماننا پڑے گا ۔ جبکہ ان (راسخون) کے علم پر اس خاص حالت کی قید لگانا کہ "وہ یہ بات کہتے ہیں" ' بالکل بے معنی ہے ۔

تفسیر "فتح القدیر" کا حوالہ

ہم نے اس مسئلے پر اپنی کتاب تفسیر "فتح القدیر" میں بڑی شرح و بسط سے بحث کی ہے ۔ اس کی طرف مراجعت انشاء اللہ اس مسئلے پر جان کاری چاہنے والوں کے دلوں کو طمانیت اور طراوت بخشے گی ۔

ہم نے متشابہ پر عمل کے عدم جواز کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ یہ آیات (معاذ اللہ) بے معنی ہیں ۔ کیونکہ (کسی آیت کے بارے میں' چاہے وہ متشابہ ہی کیوں نہ ہو) ایسا کہہ دینا صریحاً ناجائز ہے بلکہ بنی نوع انسان کی عقلیں خود خام در خام ہیں جو یہ سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتیں کہ ان آیات سے اللہ کی مراد کیا ہے ۔ جیسے مثلاً" وہ حروف (حروف مقطعات) جو کئی سورتوں کا سر آغاز ہیں ۔ اب اس میں ذرا شک نہیں کہ یہ سب

بامعنی حروف ہیں ۔ لیکن ان کی معنویت کا ہم ادراک نہیں کر سکتے ' اس لیے کہ یہ بھی ان امور میں سے ہیں جن کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کر رکھا ہے ۔

مسئلے کے اس پہلو کی بھی ہم نے اپنی مذکورہ تفسیر میں وضاحت کر دی ہے

حاصل کلام

بہرحال جس نے بھی ان آیات کی تاویل میں اٹکل سے کچھ کہا ' اس نے اللہ کے حوالے سے وہ کہا جو اس نے نہیں کہا ۔ یہ تو گویا اللہ تعالیٰ کے کلام کی اپنی اپج سے (نئی نئی) تفسیریں کرنا ہے اور ایسے (دیدہ دلیر) کے حق میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں ۔

چوتھی فصل

قرآن میں معرب الفاظ پائے جاتے ہیں یا نہیں ؟

معرب وہ الفاظ ہیں جو عجمیوں کے ہاں (خاص) معنوں کے لیے وضع کیے گئے بعد میں عربوں نے بھی انھیں اسی ساخت اور انھی معنوں میں (قدرے حک و اضافہ کے ساتھ) اپنا لیا ۔ مثلاً "اسماعیل ' ابراہیم ' یعقوب وغیرہ (بظاہر) تو یہی چاہیے تھا کہ اس بات میں کسی کو اختلاف نہ ہوتا ۔ لیکن حیرت ہے کہ بعض اصحاب نے سرے سے ان الفاظ کے قرآن میں ہونے ہی کی نفی کر دی ' اس بنا پر کہ یہ عربی کے الفاظ نہیں ابن حاجب نے اپنی ایک کتاب میں اکثر منکرین معرب کی کہانی (تفصیل سے) بیان کر دی ہے ۔ تاہم منکرین اپنے دعوے کے لیے دلیل کہیں سے نہیں پکڑ سکے الا ان کی یہ تجویز (تجاوز) کہ (کم از کم) ایسے معرب الفاظ تو قرآن میں ہو ہی نہیں سکتے جن کے بارے میں عربی اور عجمی زبانوں میں اتفاق پایا جاتا ہو (اتفاق سے مراد صرف موجودگی ہی نہیں ' ان الفاظ کا ہم معنی ہونا بھی ضروری ہے ۔

تجاوز غافلانہ کی اصلیت

یہ ہی بری اور اوپری ہے یہ تجویز (انحراف عجیب) ۔ ہاں اگر جدل و خلاف کے بازاروں میں یہ تجویز دلیل قاطع کے طور پر ٹھہر سکے تو پھر محض اسی کے بل پر کچھ بھی کہا جا سکتا ہے ۔ جبکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ قرآن میں معرب الفاظ کے ہونے کا ابطال کرنے والے ' ان کی قرآن میں موجودگی کے حق میں تمام دلائل کا رد بھی دور دراز کے مجرد احتمالات اور امکانات سے کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہیں کیونکہ لازم جب باطل قرار پا جائے تو ملزوم آپ سے آپ باطل ہو جاتا ہے ۔

عربی زبان کے ماہرین کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ قرآن میں موجود اکثر اسماء کے غیر منصرف ہونے کی وجہ ان کی عجمیت ہے اب اگر اس تجویز بعید (خواہ مخواہ کے انحراف) میں کچھ بھی قوت و تاثیر ہوتی تو ایسا اجماع واقع ہی نہ ہوتا ۔ رہا منکرین معرب کا (اس سے) یہ استدلال کہ قرآن میں اگر ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جو عربی زبان کے نہیں تو

اس سے یہ لازم آئے گا کہ سارا قرآن ہی عربی میں نہیں مصنف کہتے ہیں ' اس (بودے استدلال) کا جواب ہم مقدمے میں دے چکے ہیں۔

<u>معرب حصہ قرآن ہیں</u>

مختصر یہ کہ ان منحرفین کی ایک اکثریت اپنے دعوے کے لیے کوئی ایسی چیز (دلیل) نہیں لا سکی جو (بحث و تکرار کے اس موقع پر استدلال کے لیے صحیح ہو بہرحال قرآن میں رومی 'ہندی ' فارسی اور سریانی زبانوں کے الفاظ آئے ہیں جس سے کسی (عادی) منکر کو بھی مجال انکار نہیں اور نہ ہی مخالفت برائے مخالفت کی کسی طرح گنجائش ہے

مصنف کہتے ہیں ' ہم نے تو صرف یہی چند زبانیں گنوائیں ہیں ورنہ باور کیا جاتا ہے کہ قرآن میں کئی اور زبانوں کے الفاظ بھی موجود ہیں بلکہ بعض بزرگوں نے تو یہاں تک کہا کہ قرآن میں سب زبانوں کے الفاظ " موجود ہیں (یہ دعوی ' ظاہر ہے ' بہت بڑا دعوی ہے جسے ثابت کرنا مشکل ہے)

تاہم اگر کوئی کامل اطمینان اور دل جمعی چاہتا ہو تو اسے کتب تفسیر کی طرف مراجعت کرنی چاہیے۔ بہرحال مندرجہ ذیل الفاظ کے بارے میں تحقیق اعتبار کا باعث ہو گی۔

☆ مشکاۃ : فانوس
☆ استبرق : ریشم اور سونے کے تاروں سے بنا ہوا ایک کپڑا
☆ سجیل : سنگ گل
☆ قسطاس : ترازو
☆ یاقوت : ایک بیش قیمت پتھر
☆ اباریق : چھاگلیں ' لوٹے ' جگ ' آفتابہ
☆ تنور : روٹی پکانے کا آلہ (پنجابی والا تنور) آگ کا گڑھا

جاری ہے

الکتاب کی تعریف کے بارے میں چند باتیں
حواشی

۱۔ سورہ کہف کی پہلی آیت ہے :
الحمد اللہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے:
کان جبریل ینزل علی النبی بالسنتہ کما ینزل علیہ بالقرآن
فقہائے کرام نے ' اسی بنا پر اپنے فن کے لیے الکتاب و السنۃ کی ترکیب اختیار کی ہے ۔

۲۔ قرآن کی تعریف بیان کرنا عیب کی بات نہیں لیکن ایسی تعریف سے اجتناب ضروری ہے جس میں عیب کی بات ہو ۔
بہرحال جن چیزوں کی معرفت کسی پر مشتبہ نہ ہو ' ان کی تعریف کرنا کار لاحاصل ہے قرآن مجید کی کئی کئی تعریفیں بیان کرنا اور پھر ان میں سقم نکالنا قرآن کی عظمت اور اعجاز کے منافی ہے اور ایک مسلمان کے شایان شان نہیں ۔

۳۔ امام شوکانی نے تدبر کی توضیح میں جو کچھ فرمایا' وہ سورہ نساء کی اس آیت سے مستنبط ہے ۔ :
افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا
قرآن' لامحالہ ' من عند اللہ ہے ۔ اس لیے لفظی و معنوی ہر اختلاف سے پاک ہے ۔ البتہ موہوم اختلافات سے بچنے کے لیے تدبر کی پابندی ضروری ہے کیونکہ عدم تدبر فی القرآن فی نفسہ اختلافات کا سبب بن سکتا ہے ۔
رہا تذکر تو اس کا ذریعہ صرف قصص و امثال قرآن ہی نہیں بلکہ اس کے احکامات' بشارتیں' وعدے و وعید غرض سارا قرآن تذکر ہی تذکر ہے ۔

۴۔ باعتبار ترتیب سور و آیات قرآن مجید سے دو اسلوب منسوب ہیں ۔ ایک نزولی یعنی جس میں قرآن جستہ جستہ قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا اور دوسرے توقیفی جس میں قرآن مجید کی نزولی ترتیب کو من عند اللہ اول بدل کر موجودہ حتمی شکل دی گئی ہے ۔
اس کے لیے تین طریقے اختیار کیے گئے :
۱ ۔ جب کوئی آیت یا آیات نازل ہوتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین وحی کو ہدایت فرماتے کہ اسے فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد لکھ لو ۔
۲ ۔ ہر سال رمضان کے آخری عشرے میں دوران اعتکاف حضرت جبرئیل علیہ السلام تب تک نازل شدہ قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو توقیفی ترتیب کے مطابق پڑھا دیتے تھے ۔ اور '
۳ ۔ عمر کے آخری سال میں پورا قرآن اسی ترتیب کے مطابق انھیں دو دفعہ پڑھا دیا گیا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال بیس دن کے لیے اعتکاف بیٹھے تھے ۔
یہ وہی ترتیب ہے جس میں قرآن اب مسلمانوں کے پاس موجود ہے ۔

۵ - امام شوکانی کے اس جملے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ سورتوں کے کم از کم اندرونی نظم اور آیتوں کے باہمی ربط کے قائل تھے ۔ البتہ بعض علماء سلف کے خیال میں قرآن میں نظم کی تلاش بے سود ہے کیونکہ اگر نظم ہوتا تو اسے تلاش کرنے کی ضرورت نہ پڑتی لیکن ایسے علماء بھی بہت ہو گذرے ہیں جو قرآن کو ایک منظم کتاب مانتے تھے بلکہ اب تو قرآن کے نظم پر پورا ایک نظام کھڑا کر دیا گیا ہے ۔
ہمارے دور میں اس فکر کے نقیب مولانا حمید الدین فراہی ہیں ۔

۶ - اس سلسلہ میں کئی آیات سے شواہد پیش کیے گوے ہیں ۔ جس آیت کا حوالہ امام صاحب نے دیا ہے ' وہ یہ ہے

ولا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین

تو امام صاحب کے اپنے استدلال کے مطابق سب خشک و تر لوح محفوظ میں لکھا موجود ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارے جانے کے لیے نہیں ۔ گویا کتاب سے یہاں مراد لوح محفوظ ہے
قرآن شرائع الٰہی اور اس کی سنن کا مبارک صحیفہ ہے جس میں بنی نوع انسان کو زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ سکھایا گیا ہے تاکہ اس کی اخروی زندگی سنور سکے ۔ اس لیے قرآن کریم کو تمام علوم کا ماخذ اور ہر طرح کی معلومات کا خزانہ سمجھنا تجاوز ہے

۷ - سبعہ احرف کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ قرآن کے الفاظ سبعا من المثانی کے ہم معنی ہیں ۔ سورہ حجر کی جس ایت کے یہ الفاظ ہیں ' وہ اس طرح سے ہے '

لقد اتیناک سبعا من المثانی و القرآن العظیم

ہمارے علماء یہاں قرآن مجید سے مراد سورہ فاتحہ لیتے ہیں جو سات آیتوں پر مشتمل ہے اور ہر نماز میں دوھرائی جاتی ہے ۔ جبکہ کچھ دوسروں کی رائے یہ ہے کہ قرآن مجید سے یہاں پورا قرآن مجید مراد ہے جو معنوی طور پر سات اجزاء پر مشتمل ہے اور ہر جزو سورتوں کے کئی جوڑوں سے مل کر بنا ہے ۔ لیکن سبعہ احرف کی اس تاویل کی تائید میں سلف علماء کا کوئی واضح حوالہ نہیں مل سکا ۔

۸ - بسملہ سورہ فاتحہ کی آیت نہیں ۔ یہ اگر اس سورہ کا حصہ ہوتی تو آیتوں کی تعداد سات کے بجائے آٹھ ہوتی ۔ چنانچہ بسملہ ' اس اصول کی بنیاد پر کسی سورہ کا جزو نہیں بنتی ۔ اور اگر ہر سورہ کا جز ہوتی تو قرآن کی آیتوں کی کل تعداد میں ایک سو چودہ آیتوں کا اضافہ ناگزیر تھا ۔
البتہ اس آیت کا ایک مقصد سورتوں کے درمیان حد فاصل قائم کرنا بھی ہے اور اسے شمار میں لانے سے یہ مقصد فوت ہو جانے کا امکان ہے ۔

۹ - بسملہ ' البتہ ' ایک سورہ کے اندر موجود ہے ۔ اور سورہ نمل کی ایک آیت کا ٹکڑہ ہے جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام ' ملکہ بلقیس کے نام اپنے خط کا آغاز اس طرح کرتے ہیں '

انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمان الرحیم

اور یہ بسملہ کا قرآن کی ایک آیت ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ہے ۔ نجانے امام شوکانی کیسے ایسے قطعی ثبوت کو نظر انداز کر گئے ۔

۱۰۔ بسملہ ہر سورہ کے آغاز میں لکھی ہوئی موجود نہیں۔ حیرت ہے، قاضی شوکانی نے اس بحث، میں اس سورہ کا ذکر نہیں کیا جس کا آغاز بسملہ سے نہیں ہوتا یعنی سورہ توبہ۔ یہ سورہ چونکہ عذاب کی سورہ ہے اور بسملہ طلب رحمت کے کلمات پر مشتمل ہے۔ اس لیے اسے باعتبار مضمون اس سورہ سے مناسبت نہ تھی چنانچہ سورہ توبہ کا آغاز بسملہ سے نہیں کیا گیا بلکہ اس دھمکی سے ہوا ہے

براء من اللہ و رسولہ الی الذین عاھد تم من المشرکین

۱۱۔ احوال و حقائق کے بیان کا تشابہ اسلوب، قرآن اس وقت اختیار کرتا ہے جب ان کی اصلیت و کیفیت معلوم کرنا انسانی ذہن کی رسائی اور ان کا ابلاغ انسانی زبان کی بساط سے باہر ہو۔ تاہم یہ عام مشابہتیں اور کچھ کریں نہ کریں ان کے ذہنی مفہوم کی طرف انگلی ضرور اٹھا دیتی ہیں۔ مثلاً" قرآن جنت کے پھلوں کا ذکر کرتا ہے تو ان کی اصلیت اور کیفیت سے قطع نظر، اس پیرایہ بیان سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہاں یہ پھل بھی ہوں گے اور یہی مقصود ہے بیان کے اس اسلوب کو قرآن سورہ بقرہ میں اس طرح بیان فرماتا ہے،

کلما رزقوا منھا ثمرہ رزقا۔ قالو ھذا الذی رزقنا من قبل و اتوا بہ متشابھا۔

رہی محکم آیات تو، وہ بر خود مجلی ہوتی ہیں جن کے ابلاغ کے لیے کسی تشبیہ، استعارے یا تاویل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ شبہات وہاں راہ ہی نہیں پا سکتے۔

۱۲۔ یہ بات صحیح نہیں بلکہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کی دلالت اس کے مخاطبین پر واضح نہ ہو۔ وہ آیات جو متشابہ اسلوب میں بیان کی گئی ہیں، ان سے جو کچھ سمجھانا مقصود ہوتا ہے، وہ پورے طور پر واضح ہو جاتا ہے اور اگر کچھ واضح نہ ہو تو وہ تفہیم مدعا کے لیے ضروری نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو اس کا واضح نہ ہونا ہی ضروری ہوتا ہے۔

۱۳۔ ناسخ و منسوخ کا محکم اور متشابہ پر اطلاق یا صرف قیاس ہی سراسر بے محل اور ناقابل فہم ہے۔ محکم کے مفہوم میں کیا نسخ کا مضمون شامل ہے اور متشابہ آیات کو آخر کیوں منسوخ مانا جائے۔ کیا معاذ اللہ ان کی ضرورت نہیں رہی۔

۱۴۔ قرآن کی کوئی آیت ورائے عقل تو ہو سکتی ہے، غیر عقلی ہرگز نہیں ہوتی۔ شروع سے لیکر آخر تک قرآن کا ایک ایک لفظ اپنے معنی، اپنی مراد، اپنے محل و موقع اور اپنے استعمال میں بلکہ ہر لحاظ سے اعلیٰ سطح پر عقلی ہوتا ہے۔ اگر کچھ قصور ہے تو ان عقلوں کا جو بعض اوقات اس سطح تک نہیں پہنچ یا سکتیں۔

۱۵۔ متشابہات احکامی آیات نہیں ہیں۔ اس لیے یہ سوال ہی لاجواب ہے کہ ان پر عمل کرنا جائز ہے یا ناجائز

۱۶۔ قرآن میں وارد ہونے والے معرب الفاظ عجمی الاصل ضرور ہیں لیکن عربی مبین سے باہر نہیں۔ کیونکہ قرآن کے عربی مبین ہونے پر نص قطعی دال ہے۔ اس لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔

۱۷۔ امام شوکانی نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے، ان کے الفاظ تو یقیناً قرآن میں آئے ہیں لیکن دنیا کے ساری زبانوں کے الفاظ اس میں نہیں پائے جاتے بلکہ قرآن میں مذکورہ چند زبانوں کے بس وہی الفاظ آئے ہیں جن

سے عرب مانوس تھے اور وہ ان کے زیر استعمال رہتے رہتے روز مرہ کی حیثیت اختیار کر گئے تھے حتا کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ عرب ' الا ماشاء اللہ ان انبیائے کرام کے اسماء سے بھی پہلے سے واقف تھے جن کا ذکر قران میں آیا ہے ۔

۱۸ ۔ ان الفاظ کی لغوی تحقیق درج ذیل ہے :

ا ۔ مشکوہ: راغب اصفہانی اور اکثر دوسرے لغوی اس طرف گئے ہیں کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور شکایکشو سے اسم آلہ کے وزن پر مشتق ہے جس میں حرف علت " و" "الف" سے بدل گیا ہے اور آخر میں سارے کے لیے تائے مدورہ لگا دی گئی ہے قران کریم میں اس لفظ کا رسم الخط اسی وزن پر ہے ۔ اس کے برعکس فارسی میں اس کا رسم الخط مشکات ہے جو غلط العام ہے ۔ امام شوکانی نے بھی عربی رسم الخط پر "و" کو "الف" سے بدل دیا ہے ۔

رہا اس لفظ کے مفہومات تو وہ بھی مادے کے معنوں سے موافق نظر تے ہیں یعنی :

الف ۔ چراغ رکھنے کا طاق جس سے روشنی باہر پھوتی ہے ۔ جیسے مشک یا چمڑے کے تھیلے سے پانی باہر کو نکلتا ہے ۔

ب ۔ دیوار میں ایسا موخہ جو آر پار نہ ہو

ج ۔ جیسے شکایت منہ سے نکلتی ہے سورہ یوسف میں ہے :

انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ

مشکوہ کا لفظ سورہ نور کی اس آیت میں وارد ہوا ہے :

مثل نورہ کمشکوہ فیھا مصباح

جہاں تک اس لفظ کے عجمی الاصل ہونے کا تعلق ہے ' جیسکہ قاضی شوکانی کا خیال ہے تو اس کا کہیں سے سراغ نہیں ملا سوائے اس کے تلفظ کے جو قران میں اور جدید عربی میں اور ' اور فارسی میں بالکل ہی اور ہے ۔

۲ ۔ استبرق اور ابارق

استبرق فارسی زبان کا لفظ ہے ۔ اس کی فارسی اصل کے بارے میں تین طرح کے الفاظ آتے ہیں یعنی

استبرہ

استفرہ

استبر

البتہ صاحب تاج العروس اسے سریانی الاصل سمجھتے ہیں ۔

ابارق فارسی لفظ آب ریز سے معرب ہے ۔ صاحب تاج العروس نے جوہری کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ عربی لفظ ہے ' اس کا مادہ برق ہے اور چمکدار ہونا اس کے معنوں میں شامل ہے اور اسے تکسیرا" ابارق بھی پڑھتے ہیں جو بحذف التاوالسین استبرق سے مشتق مانا گیا ہے ۔

استبرق سورہ رحمان کی اس آیت میں آیا ہے :

متکئین علیٰ فرش بطائنہا من استبرق وجنا الجنتین دان

اور اباریق سورہ واقعہ کی اس آیت میں وارد ہوا ہے :

یطوف علیہم ولدان مخلدون باریق و کاس من معین

۳ ۔ سجیل

فارسی لفظ سنگ گل سے معرب ہے ۔ قدیم زمانے میں مٹی کی تختیوں کو آگ میں تپا کر پختہ کر لیا جاتا تھا اور پھر انھیں پر لکھا جاتا ۔ بعض لغوی کہتے ہیں کہ **سجیل** لاطینی لفظ سی ریم سے معرب ہے جس کے معنی **مہر** اور خاتم کے ہیں تاہم یہ رائے بعید از قیاس نہیں ۔

قران میں یہ لفظ دو مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے ایک تو وہی کنکریوں کے معنی میں جیسے سورہ کہف میں ہے :

ترمیھم **بحجارہ** من **سجیل**

اور دوسرے لپیٹنے کے معنی میں ۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ اس کے مادے کے اصل معنی کسی چیز کا بھر کر الٹ جانا یا گر جانا ہے جیسے قران میں ہے :

یوم نطوی السماکطی السجل للکتب

بعض حضرات کہتے ہیں کہ **سجیل** اور **سجین** کے معنوں میں لپیٹنے کا مفہوم مشترک ہے یہ دونوں لفظ **فعیل** کے وزن پر اسم صفت ہیں

۴ ۔ قسطاس :

اقوم المیازین ' سب سے صحیح ترازو ' یہ عربی لفظ ہے اور ق س ط سے اسم مصدر کے وزن پر مشتق ہے ۔ لیکن یہ رجحان مختلف فیہ ہے ۔ ظن غالب ہے کہ یہ لفظ کسی رومی لفظ سے معرب ہے ۔

قران مجید میں ہے :

وزنوا **بالقسطاس** المستقیم

۵ ۔ یاقوت ۔

فارسی لفظ یاکند سے معرب ہے ۔ نوعی از جواہر ۔ سرخ ' کبود ' زرد ' اسے آگ نقصان نہیں پہچا سکتی ۔ ایک دعوی یہ ہے کہ یہ یونانی لفظ ھیاکین تس سے معرب ہے لیکن یہ دور کی کوڑی لگتی ہے ۔

سورہ رحمان میں ہے :

کانھن الیاقوت والمرجان

۵ ۔ تنور

عربی ' فارسی ' ترکی ' اردو اور پنجابی میں مشترک ہے ۔ اصلاً فارسی سے معرب ہے ۔ کاش لغوی عربی مادہ ن ور سے مشتق مانتے ہیں ۔ لیکن وہ صرف کے قواعد سے اس کی بناوٹ کے لیے کوئی شاہد مہیا کرنے سے عاجز ہیں ۔ اس کی جمع تنانیر ہے

قران میں ہے :

حتی اذا جاء امرنا و فار التنور

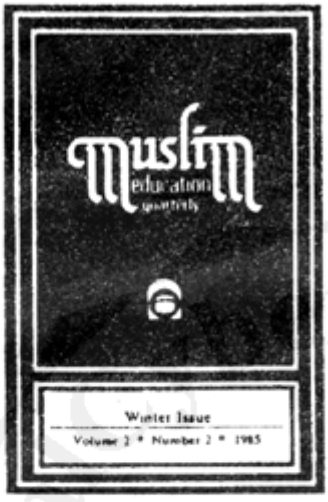

MUSLIM EDUCATION QUARTERLY is a review of Muslim education in the Modern World both in Muslim majority and in Muslim minority countries.

It is intended as a means of communication for scholars dedicated to the task of making education islamic in character:

(1) by substituting Islamic concepts for secularist concepts of knowledge at present prevalent in all branches of knowledge,

(2) by getting curricula and text books revised or rewritten accordingly and

(3) by proposing concrete strategies for revising teacher-education including teaching methodology.

It is also expected to act as an open forum for exchange of ideas between such thinkers and others including non-Muslims who hold contrary views.

MUSLIM EDUCATION QUARTERLY

Published quarterly in Autumn, Winter, Spring and Summer

Editor: Professor Syed Ali Ashraf

- Contains articles on Islamic education, morality, art, culture, etc.
- Critically evaluates educational issues from the Islamic point of view
- Contains 'Reminiscences' of contemporary Muslim educationalists
- Publishes surveys of Muslim education in all countries of the world.
- Publishes book reviews.

SEND YOUR SUBSCRIPTION NOW

To: The Secretary, The Islamic Academy

Please enter my subscription for MUSLIM EDUCATION QUARTERLY

I enclose a cheque/P.O. for ..... (make cheque payable to The Islamic Academy. The cheque should be in sterling pounds).

Name .....

Address .....

.....

Subscription Rates (including postage): Please indicate your preference.

Private Subscribers	☐	£10.50 per annum
	☐	£ 2.65 per issue
Institutions	☐	£13.00 per annum
	☐	£ 3.50 per issue

THE ISLAMIC ACADEMY

23 Metcalfe Road, Cambridge, CB4 2DB, U.K. Tel. (0223) 350976

مکالمہ

جناب محمد آصف خان مدیر پنجابی ادب اور ڈائریکٹر پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور ممتاز محقق اور دانشور ہیں ۔ پنجابی زبان و ادب کے ساتھ ساتھ ہندی فلسفے اور برصغیر کی تہذیب و ثقافت پر بھی ان کی نظر بڑی گہری ہے انہوں نے فلسفے کے معروف استاد اور مصنف ڈاکٹر آصف اقبال خان کے مقالے "فلسفہ ہند کے بنیادی تصورات" کے سلسلے میں چند ضروری توضیحات سے ہمیں نوازا ہے ہم اسے محض فروغ علم و دانش کے جذبے کے تحت شائع کر رہے ہیں ۔ اقبالیات کے مندرجات کے سلسلے میں آپ کوئی بھی اختلاف رکھتے ہوں ۔ اقبالیات اور اقبال ریویو (انگریزی) کے صفحات میں "مکالمہ" کے عنوان کے تحت خوش دلی سے شائع کئے جائیں گے۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لیے

(مدیر)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006